© rasailojaraid.com

اسلامی قانون

(۲)

پاکستان میں اس کا نفاذ کس طرح ہوسکتا ہے

یہ تقریر ۱۹؍ فروری ۱۹۴۸ء کو لاء کالج لاہور میں کی گئی تھی

اس سے پہلے میں آپ کے سامنے ایک تقریر میں موضوع پر کرچکا ہوں کہ اسلامی قانون کی حقیقت کیا ہے، اس کی منبع اور اس کا مقصد کیا ہے، اس کے بنیادی اصول کیا ہیں، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے اور ہم کیوں اپنے ملک میں اسے نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ اور وہ شبہات کیا وزن رکھتے ہیں جو اس کے بارے میں عام طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ میری وہ تقریر محض ایک تعارفی تقریر تھی۔ اب میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اب ہم اس ملک میں اسلامی قانون کو از سرِ نو جاری کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے لئے کیا تدبیر کرنی ہونگی۔

فوری انقلاب نہ ممکن ہے نہ مطلوب اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس غلط فہمی کو دور کردوں جو اسلامی قانون کے اجراء کے متعلق کثرت سے لوگوں کے ذہن میں پائی جاتی ہے۔ لوگ جب سنتے ہیں کہ ہم یہاں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس حکومت میں ملک کا قانون اسلامی قانون ہوگا تو انہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید نظامِ حکومت کے تغیر کا اعلان ہوتے ہی تمام پچھلے قوانین یک لخت منسوخ ہوجائینگے اور اسلامی قانون بیک وقت نافذ کردیا جائیگا۔ یہ غلط فہمی صرف عام لوگوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ اچھے خاصے مذہبی طبقے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اس میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا ہونا ہی چاہیئے کہ ادھر اسلامی حکومت قائم ہو اور ادھر فوراً ہی غیر اسلامی قوانین کا نفاذ بند اور اسلامی قانون کا نفاذ شروع ہو جائے۔ درحقیقت یہ لوگ اس بات کو بالکل نہیں سمجھتے کہ ایک ملک کا قانون اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ جب تک کسی ملک کا نظامِ زندگی اپنے سارے شعبوں کے ساتھ نہ بدلے اُس کے قانونی نظام کا بدل جانا ممکن نہیں ہے۔ انہیں اس کا بھی اندازہ نہیں ہے کہ پچھلے سو ڈیڑھ سو برس سے ہم پر جو (انگریزی) اقتدار مسلط رہا ہے اس نے کس طرح ہماری زندگی کے پورے نظام کو اسلامی اصولوں سے ہٹا کر غیر اسلامی اصولوں پر چلا دیا ہے۔ اور اب اسے پھر بدل کر دوسری بنیادوں پر قائم کرنا کتنی محنت، کتنی کوشش اور کتنا وقت چاہتا ہے۔ یہ لوگ عملی مسائل میں بصیرت نہیں رکھتے، اس لئے اجتماعی نظام کی تبدیلی کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا خواب دیکھتے ہیں۔ پھر ان کی یہی باتیں اُن لوگوں کو جو اسلامی نظام سے فرار کی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں، یہ موقع دے دیتی ہیں کہ وہ اس تخیل کا مذاق اڑائیں اور اس کے حامیوں کا استخفاف کریں۔

تدریج کا اصول اگر ہم فی الواقع اپنے اس تخیل کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں فطرت کے اس اٹل قاعدے سے غافل نہ ہونا چاہیئے کہ اجتماعی زندگی میں جتنے تغیرات بھی ہوتے ہیں تدریج ہی سے ہوا کرتے ہیں۔ انقلاب جتنا اچانک اور جس قدر یک رخا ہوگا اتنا ہی وہ ناپائدار ہوگا۔ ایک مستحکم اور پائندہ انقلاب کے لئے یہ بالکل ضروری ہے کہ وہ زندگی کی ہر جہت اور ہر پہلو میں پورے توازن کے ساتھ کارفرما ہو تاکہ اس کا ہر گوشہ دوسرے گوشے کو سہارا دے سکے۔

عہدِ نبوی کی مثال اس کی بہترین مثال خود وہ انقلاب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں برپا کیا تھا۔ جو شخص حضور کے کارنامے سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے اسے بھی معلوم ہے کہ آپ نے پورا اسلامی قانون اپنے سارے شعبوں کے ساتھ بیک وقت نافذ نہیں کر دیا تھا، بلکہ معاشرے کو بتدریج اس کے لیے تیار کیا تھا اور اس تیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ سابق جاہلیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طریقوں اور قاعدوں کو بدل کر نئے اسلامی طریقے اور قاعدے جاری کیے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے اسلام کے بنیادی تصورات اور اخلاقی اصول لوگوں کے سامنے پیش کیے۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے گئے انہیں آپ تربیت دے کر ایک ایسا صالح گروہ تیار کرتے چلے گئے جس کا ذہن اور زاویۂ نظر اور طرزِ عمل خالص اسلامی تھا۔ جب یہ کام ایک خاص حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے دوسرا قدم اٹھایا، اور وہ یہ تھا کہ مدینے میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جو خالص اسلامی نظریہ پر مبنی تھی اور جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ملک کی زندگی کو اسلام کے نقشے پر ڈھال دے۔ اس طرح سیاسی طاقت اور ملکی ذرائع کو ہاتھ میں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیع پیمانے پر اصلاح و تعمیر کا وہ کام شروع کیا جس کے لیے آپ پہلے صرف دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے کوشش فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک مرتب اور منظم طریقے سے لوگوں کے اخلاق، معاشرت، تمدن اور معیشت کو بدلنے کی جدوجہد کی۔ تعلیم کا ایک نیا نظام قائم کیا، جو اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے زیادہ تر زبانی تلقین کے طریقے پر تھا۔ جاہلیت کے خیالات کی جگہ اسلامی طرزِ فکر کی اشاعت کی۔ پرانی رسموں اور طور طریقوں کی جگہ نئے اصلاح یافتہ رواج اور آداب و اطوار جاری کیے۔ اور اس ہمہ گیر اصلاح کے ذریعے سے جوں جوں زندگی کے مختلف گوشوں میں انقلاب رونما ہوتا گیا، آپ اسی کے مطابق پورے توازن اور تناسب کے ساتھ اسلامی قانون کے احکام جاری کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ۹ سال کے اندر ایک طرف اسلامی زندگی کی تعمیر مکمل ہوئی اور دوسری طرف پورا اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو گیا۔

قرآن اور حدیث کے غائر مطالعے سے ہمیں واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے یہ کام کس ترتیب و تدریج کے ساتھ کیا تھا۔ وراثت کا قانون سنہ ۳ ہجری میں جاری کیا گیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین رفتہ رفتہ سنہ ۷ ہجری میں جا کر مکمل ہوئے۔ فوجداری قوانین کئی سال تک ایک ایک دفعہ کر کے نافذ کیے جاتے رہے یہاں تک کہ سنہ ۸ھ میں ان کی تکمیل ہوئی۔ شراب کی بندش کے لیے بتدریج فضا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیار کی گئی اور ۸ھ ہجری میں اس کا قطعی انسداد کر دیا گیا۔ سود کی برائی اگرچہ مکہ ہی میں صاف صاف بیان کی جا چکی تھی، مگر اسلامی حکومت قائم ہوتے ہی اسے یک لخت بند نہیں کر دیا گیا بلکہ ملک کے پورے معاشی نظام کو بدل کر جب نئے سانچوں میں ڈھال لیا گیا تب کہیں ۹ھ ہجری میں سود کی قطعی حرمت کا قانون جاری کیا گیا۔ یہ کام بالکل ایک معمار کا سا کام تھا جس نے اپنے پیش نظر نقشے کی عمارت بنانے کے لئے کاریگر اور مزدور جمع کئے، ذرائع و وسائل مہیا کئے، زمین ہموار کی، بنیادیں کھودیں، پھر ایک ایک اینٹ رکھ کر ہر جہت سے عمارت کو اٹھاتا ہوا اوپر تک لے گیا، اور چند سال کی مسلسل محنت کے بعد آخر کار وہ عمارت مکمل کر دی جس کا خاکہ اس کے ذہن میں تھا۔

انگریزی دور کی مثال | قریب کے زمانہ میں خود ہمارے ملک پر جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تھی تو کیا انہوں نے یک لخت یہاں کا سارا نظام بدل ڈالا تھا؟ نہیں۔ ان کی حکومت سے پہلے چھ سات سو برس سے یہاں کا پورا نظام زندگی اسلامی فقہ پر چل رہا تھا۔ اس صدیوں کی جمی ہوئی عمارت کو ڈھا دینا اور مغربی اصول و نظریات کے مطابق ایک دوسرے نظام کی عمارت کھڑی کر دینا ایک دن کا کام نہ تھا۔ تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی اقتدار قائم ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک ہندوستان میں اسلامی فقہ ہی رائج تھا۔ عدالتوں میں قاضی ہی انصاف کے لئے بیٹھتے تھے اور اسلام کا قانون صرف پرسنل لا کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ وہی ملکی قانون (Law of the land) بھی تھا۔ انگریزوں کو یہاں کا قانونی نظام بدلتے بدلتے ایک صدی لگ گئی۔ انہوں نے بتدریج یہاں کا نظام تعلیم بدل کر اپنے مطلب کے آدمی ڈھالے، اپنے خیالات کی اشاعت سے ذہنیتیں بدلیں، اپنے اقتدار کے اثر سے لوگوں کے اخلاق بدلے، اپنی بالادستی کے زور سے معاشی نظام بدلا، اور پھر جیسے جیسے یہ مختلف قسم کے ہمہ گیر اثرات یہاں کی اجتماعی زندگی کو بدلتے گئے اسی کے مطابق پرانے قوانین منسوخ اور نئے قوانین جاری ہوتے چلے گئے۔

تدریج ناگزیر ہے | اب اگر ہم یہاں پھر اسلامی قانون جاری کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے بھی انگریزی حکومت کے صد سالہ نقوش کو کھرچ دینا اور نئے نقوش ثبت کر دینا محض ایک جنبش قلم سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممکن نہیں ہے۔ ہمارا پرانا نظام تعلیم زندگی اور اس کے عملی مسائل سے ایک مدت دراز تک بے تعلق رہنے کے باعث اس قدر بے جان ہو چکا ہے کہ اس کے فارغ التحصیل لوگوں میں ایک فی ہزار کے اوسط سے بھی ایسے آدمی نہیں نکل سکتے جو ایک جدید ترقی یافتہ ریاست کے جج اور مجسٹریٹ بنائے جا سکیں۔ دوسری طرف موجودہ نظام تعلیم نے جو آدمی تیار کئے ہیں وہ اسلام اور اس کے قوانین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان میں ایسے افراد بھی خال خال ہی پائے جاتے ہیں جن کی ذہنیت ہی کم از کم اس تعلیم کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ گئی ہو۔ پھر سوڈیڑھ سو برس تک معطل رہنے کی وجہ سے ہمارا قانونی ذخیرہ بھی زمانے کی رفتار سے اچھا خاصا پیچھے رہ گیا ہے اور اسے موجودہ دور کی عدالتی ضروریات کے لئے کارآمد بنانا کافی محنت چاہتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طویل مدت تک اسلامی اثر سے آزاد اور انگریزی حکومت کے تابع رہتے رہتے ہمارے اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست کا نقشہ اصل اسلامی نقشے سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ اس حالت میں ملک کے قانونی نظام کو یک بخت بدل دینا —— اگر ایسا کرنا ممکن بھی ہو —— نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس صورت میں زندگی کا نظام اور قانونی نظام دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ، بلکہ باہم متصادم ہوں گے، اور ایسے قانونی تغیر کا وہی حشر ہوگا جو ایک پودے کو ایسی آب و ہوا اور ایسی زمین میں لگا دینے سے ہوا کرتا ہے جو اس کے مزاج سے کوئی مناسبت نہ رکھتی ہو۔ لہٰذا یہ بالکل ناگزیر ہے کہ جس اصلاح و تغیر کے ہم طالب ہیں وہ تدریج کے ساتھ ہو، اور قانونی تبدیلیاں اخلاق، تعلیم، معاشرت، تمدن، معیشت اور سیاست کی تبدیلیوں کے ساتھ متوازن طریقہ سے کی جائیں۔

ایک غلط بہانہ لیکن تدریج کے اس معقول اور بجائے خود بالکل صحیح اصول کو بہانہ بنا کر جو لوگ اس بات کے حق میں استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سر دست تو یہاں ایک غیر دینی —— بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک بے دین —— ریاست ہی قائم ہونی چاہیے، پھر جب اسلامی ماحول تیار ہو جائیگا تو وہ اسلامی ریاست بھی قائم ہو جائیگی جو اسلامی قانون جاری کر سکے، وہ سراسر ایک نامعقول بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ ماحول تیار کون کریگا؟ کیا ایک بے دین ریاست جس کی باگیں فرنگیت زدہ حکام اور لیڈروں کے ہاتھ میں ہوں؟ کیا وہ معمار جو صرف میخانہ و صنم خانہ ہی کی تعمیر جانتے اور اسی سے دلچسپی بھی رکھتے ہیں، ایک مسجد تعمیر کرنے کا سامان کرینگے؟ اگر ان لوگوں کا یہی مطلب ہے تو انسانی تاریخ میں یہ پہلا اور بالکل نرالا تجربہ ہوگا کہ بے دینی خود دین کو پروان چڑھا کر اپنی جگہ لینے کے لئے تیار کریگی! اور اگر ان کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ ذرا اس کی صاف صاف توضیح فرمائیں کہ اسلامی ماحول کی تیاری کا کام کون، کس طاقت اور کن ذرائع سے کریگا اور اس دوران میں بے دین ریاست اپنے ذرائع اور اقتدار کو کس چیز کی تعمیر و ترقی میں صرف کرتی رہیگی؟

ابھی ابھی تدریج کا اصول ثابت کرنے کے لئے جو مثالیں میں نے پیش کی ہیں انہیں اگر آپ ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن میں تازہ کرلیں تو آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر ہو یا غیر اسلامی نظام زندگی کی، اگرچہ وہ ہوتی تو تدریج ہی ہے، لیکن تدریجاً اس کی تعمیر صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ ایک معمار طاقت اپنے سامنے ایک مقصد اور ایک نقشہ رکھ کر مسلسل اس کے لئے کام کرے۔ صدر اول میں جو اسلامی انقلاب ہوا تھا، اسی طرح تو ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اس کے لئے سعی کی، موزوں آدمی تیار کئے، تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ سے لوگوں کے خیالات بدلے، حکومت کے پورے نظم و نسق کو معاشرے کی اصلاح اور ایک نئے تمدن کی تخلیق کے لئے استعمال کیا، اور اس طرح وہ ماحول بنا جس میں اسلامی قانون جاری ہوسکا۔ ماضی قریب میں انگریزوں نے ہندوستان کے نظام زندگی میں جو تغیرات کئے وہ بھی تو اسی طرح ہوئے کہ زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو اس تغیر کے خواہشمند تھے اور اس کے لئے کام کرنا جانتے تھے۔ انھوں نے ایک مقصد اور ایک نقشے کو نگاہ میں رکھ کر پیہم اس تغیر کے لئے کوشش کی اور آخر کار یہاں کے پورے نظام زندگی کو اس سانچے میں ڈھال کر ہی چھوڑا جو اُن کے اصول و قوانین سے مناسبت رکھتا تھا۔ پھر کیا اب ہماری پیش نظر تعمیر اس معمار طاقت کے بغیر ہو جائیگی، یا ایسے معماروں کے ہاتھوں ہو سکے گی جو اس نقشے پر تعمیر کا کام نہ جانتے ہوں اور نہ چاہتے ہوں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح ترتیب کار میں سمجھتا ہوں، اور مجھے اُمید ہے کہ ہر معقول آدمی اس معاملہ میں مجھ سے اتفاق کریگا کہ جب یہ پاکستان اسلام کے نام سے اور اسلام کے لئے مانگا گیا ہے اور اسی بنا پر ہماری یہ مستقل ریاست قائم ہوئی ہے تو ہماری اس ریاست ہی کو وہ معمار طاقت بننا چاہیئے جو اسلامی زندگی کو تعمیر کرے۔ اور جبکہ یہ ریاست ہماری اپنی ریاست ہے اور ہم اپنے تمام قومی ذرائع و وسائل اس کے سپرد کر رہے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس تعمیر کے لئے کہیں اور سے معمار فراہم کریں۔

یہ بات اگر صحیح ہے تو پھر اس تعمیر کی راہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی اس ریاست کو، جو ابھی تک انگریز کی چھوڑی ہوئی کافرانہ بنیادوں پر قائم ہے، مسلمان بنائیں۔ اور اسے مسلمان بنانے کی آئینی صورت یہ ہے کہ ہماری دستور ساز اسمبلی باقاعدہ اس امر کا اعلان کرے کہ

۱- پاکستان میں حاکمیت خدا کی ہے اور ریاست اس کے نائب کی حیثیت سے ملک کا انتظام کریگی۔

۲- ریاست کا اساسی قانون شریعت خداوندی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں پہنچی ہے

۳- تمام پچھلے قوانین جو شریعت سے متصادم ہوتے ہیں بتدریج بدل دیئے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا جو شریعت سے متصادم ہوتا ہو۔

۴- ریاست اپنے اختیارات کے استعمال میں اسلامی حدود سے تجاوز کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔

یہ وہ کلمۂ شہادت ہے جسے اپنی آئینی زبان ـــــ یعنی دستور ساز اسمبلی ـــــ کے ذریعہ سے ادا کرکے ہماری ریاست "مسلمان" ہو جائیگی۔

اس اعلان کے بعد ہی صحیح طور پر ہمارے رائے دہندوں کو یہ معلوم ہوگا کہ اب انہیں کس مقصد اور کس کام کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔ عوام میں علم و دانش کی لاکھ کمی سہی، مگر وہ اتنی سمجھ بوجھ ضرور رکھتے ہیں کہ انہیں کس کام کے لئے کس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان کے درمیان کون لوگ کس مطلب کے لئے موزوں ہیں۔ آخر وہ اتنے نادان تو نہیں ہیں کہ علاج کے لئے وکیل اور مقدمہ لڑنے کے لئے ڈاکٹر کو تلاش کریں۔ وہ اس کو بھی کسی نہ کسی حد تک جانتے ہی ہیں کہ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بستیوں میں ایماندار اور خدا ترس لوگ کون ہیں، چالاک اور دنیا پرست کون، اور شریر و مفسد کون۔ جیسا مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے ویسے ہی آدمی وہ اس کے لئے اپنے اندر سے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اب تک ان کے سامنے یہ مقصد آیا ہی نہ تھا کہ انہیں ایک دینی نظام چلانے کے لئے آدمی درکار ہیں۔ پھر وہ اس کے چلانے والے آخر تلاش کرتے تو کیوں۔ جیسا بے دین اور غیر اخلاقی نظام ملک میں قائم تھا اور اس کا مزاج جس قسم کے آدمی چاہتا تھا، اس کے لئے ویسے ہی آدمیوں پر لوگوں کی نگاہ انتخاب پڑی اور انہی کو ووٹ دہندوں نے چن کر بھیجدیا۔ اب اگر ہم ایک اسلامی ریاست کا دستور بنائیں اور لوگوں کے سامنے سوال یہ آجائے کہ اس نظام کو چلانے کے لئے انہیں موزوں آدمی منتخب کرنے ہیں، تو چاہے ان کا انتخاب کمال درجہ کا معیاری نہ ہو، مگر بہرحال اس کام کے لئے ان کی نگاہیں فساق و فجار اور دین مغربی کے مومنین پر نہیں پڑینگی۔ وہ اس کے لئے انہی لوگوں کو تلاش کریں گے جو اخلاقی، ذہنی اور علمی حیثیت سے اس کے اہل ہونگے۔

پس ریاست کو مسلمان بنانے کے بعد تعمیر حیات اسلامی کی راہ میں دوسرا قدم یہ ہے کہ جمہوری انتخاب کے ذریعہ سے اس ریاست کی زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہو جو اسلام کو جانتے بھی ہوں اور اس کے مطابق ملک کے نظام زندگی کو ڈھالنا چاہتے بھی ہوں۔

اس کے بعد تیسرا قدم یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ہمہ گیر اصلاح کا ایک منصوبہ (Plan) بنایا جائے اور اسے عمل میں لانے کے لئے ریاست کے تمام ذرائع و وسائل استعمال کئے جائیں۔ تعلیم کا نظام بدلا جائے۔ ریڈیو، پریس، سنیما اور خطابت کی ساری طاقتیں لوگوں کے خیالات کی اصلاح اور ایک نئی اسلامی ذہنیت کی تخلیق میں صرف کی جائیں۔ معاشرت اور تمدن کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کے لئے پیہم اور باقاعدہ کوشش کی جائے۔ سول سروس، پولیس، جیل، عدالت اور فوج سے بتدریج ان عناصر کو خارج کیا جائے جو پرانے فاسقانہ و کافرانہ نظام کی عادات و خصائل میں ڈھل کر سوکھ چکے ہیں، اور ان نئے عناصر کو کام کرنے کا موقع دیا جائے جو اس اصلاح کے کام میں مددگار بن سکتے ہیں۔ معاشی نظام میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں اور اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پورا ڈھانچہ، جو پرانی ہندوانہ اور جدید فرنگیانہ بنیادوں پر چل رہا ہے، ادھیڑ ڈالا جائے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایک صالح اور مدبر گروہ اقتدار کے منصب پر فائز ہو اور ملک کے سارے وسائل اور حکومت کے پورے نظم و نسق کی طاقت سے کام لے کر باقاعدگی کے ساتھ اصلاح کے ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل شروع کر دے تو دس سال کے اندر اس ملک کی اجتماعی زندگی کا نقشہ بالکل بدل ڈالا جا سکتا ہے، اور جیسے جیسے یہ تبدیلی واقع ہوتی جائے، ایک صحیح توازن کے ساتھ سابق قوانین کی ترمیم و تنسیخ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ بالآخر جاہلیت کا کوئی قانون ہمارے ملک میں باقی نہ رہے اور اسلام کا کوئی حکم نافذ ہونے سے نہ رہ جائے۔

اجرائے قانونِ اسلامی کے لئے تعمیری کام اب میں خاص طور پر اُس تعمیری کام کی کچھ تفصیل آپ سے بیان کرونگا جو ملک کے قانونی نظام کو بدلنے اور اسلام کے قوانین کو جاری کرنے کے لئے ہمیں کرنا ہوگا۔ جس اصلاحی پروگرام کی طرف ابھی میں اشارہ کر چکا ہوں اس کے سلسلہ میں ہم کو قریب قریب ہر شعبۂ زندگی میں بہت سے تعمیری کام کرنے پڑینگے، کیونکہ مدتہائے دراز کے تعطل، انحطاط اور غلامی نے ہمارے تمدن کی عمارت کے ہر گوشے کو خراب کر کے چھوڑا ہے۔ لیکن اس وقت میری تقریر ایک خاص موضوع سے تعلق رکھتی ہے اس لئے دوسرے گوشوں کے تعمیری کام سے قطع نظر کر کے یہاں میں صرف اس کام کے متعلق کچھ عرض کرونگا جو ہمیں قانون اور نظمِ عدالت کے سلسلہ میں کرنا ہے۔

ایک قانونی اکیڈیمی کا قیام اس پہلو میں اولین کام جو ہمیں کرنا چاہیئے، یہ ہے کہ ایک قانونی اکیڈیمی قائم کی جائے جو اس پورے کام کا جائزہ لے جو علمِ قانون میں ہمارے اسلاف اس سے پہلے کر چکے ہیں، اور اُن ضروری کتابوں کو جو فقہ اسلامی کی واقفیت کے لئے ناگزیر ہیں، اُردو زبان میں صرف منتقل ہی نہ کرے بلکہ ان کے مواد کو زمانۂ حال کے طرزِ ترتیب کے مطابق مرتب بھی کر دے تاکہ ان سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہماری فقہ کا اصل ذخیرہ عربی زبان میں ہے اور ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بالعموم اس زبان سے ناواقف ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے، اور کچھ سنی سنائی باتوں کی بنا پر، ہمارے پڑھے لکھے لوگ عموماً اس فقہی ذخیرے کے متعلق طرح طرح کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے لوگ تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ دور از کار لاطائل اختلافی بحثوں کے اس دفتر بے معنی کو دریا برد کر دیا جائے اور نئے سرے سے اجتہاد کر کے کام چلایا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے مہمل خیالات ظاہر کرتے ہیں وہ محض اپنے علم ہی کی کمی کا نہیں، فکر و تدبر کے فقدان کا بھی راز فاش کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے بزرگوں کے فقہی کارناموں کا واقعی مطالعہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ انہیں اپنی ان باتوں پر خود ہی شرم آنے لگیگی۔ انہیں معلوم ہوگا کہ پچھلی بارہ تیرہ صدیوں میں ہمارے اسلاف محض فضول بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرتے رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے بڑی قیمتی میراث چھوڑی ہے۔ وہ بہت سی ابتدائی منزلیں ہمارے لئے تعمیر کر گئے ہیں اور ہم سے بڑھکر زیاں کار کوئی نہ ہوگا اگر ہم محض جہالت کی بنا پر اس بنی بنائی عمارت کو خواہ مخواہ ڈھا کر نئے سرے سے ہی تعمیر کی ابتدا کرنے پر اصرار کریں۔ ہمارے لئے عقلمندی یہی ہے کہ جو اگلے بنا گئے ہیں اُسے اپنی آج کی ضرورتوں کے لئے کار آمد بنائیں، اور آگے جن چیزوں کی ضرورت پیش آئے اس کے لئے مزید تعمیر کرتے رہیں۔ ورنہ ہر نسل اگر یونہی اپنے سے پہلی نسلوں کے کام پر پانی پھیرتی رہے اور نئے سرے سے سب کچھ بنانے کی کوشش کرے تو یقیناً ترقی کی طرف قدم آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔

میں اس سلسلہ کی پہلی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ پچھلی صدیوں میں دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر مسلمانوں کی جس قدر سلطنتیں قائم ہوئی تھیں ان سب کا قانون فقہ اسلامی ہی تھی۔ اس زمانے میں مسلمان نری گھاس نہیں کھودتے تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کا تمدن ان کے اندر موجود تھا۔ ان کے وسیع تمدن کی ساری ہی ضروریات پر ان کے فقہا نے اسلامی قوانین کو منطبق کیا تھا۔ یہی فقہا ان حکومتوں کے جج مجسٹریٹ اور چیف جسٹس ہوتے تھے اور ان کے فیصلوں سے نظائر کا ایک وسیع ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا۔ انہوں نے قریب قریب ہر شعبہ قانون سے بحث کی ہے محض دیوانی و فوجداری قوانین ہی نہیں، دستوری اور بین الاقوامی قوانین کے متعلق بھی ان کے قلم سے ایسی ایسی لطیف بحثیں نکلی ہیں کہ ان کا مطالعہ کر کے ایک قانون داں آدمی ان کی ژرف نگاہی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے کہ ہم اہل علم کے ایک گروہ کو ان بزرگوں کے چھوڑے ہوئے ذخیرہ کا جائزہ لینے پر مامور کریں، اور وہ موجودہ زمانے کی قانونی کتابوں کے طرز پر اس تمام کار آمد مواد کو مرتب کر ڈالے جو اس ذخیرے میں مل سکتا ہو۔

خصوصیت کے ساتھ چند کتابیں تو ایسی ہیں جن کو اُردو زبان میں منتقل کر لینا نہایت ضروری ہے:

۱۔ احکام القرآن پر تین کتابیں، جصّاص، ابن العربی اور قرطبی۔

ان کتابوں کا مطالعہ ہمارے قانونی طلبہ کو قرآن مجید سے احکام مستنبط کرنے کی بہترین تربیت دے گا۔ ان میں قرآن کی تمام احکامی آیات کی تفسیر کی گئی ہے، احادیث اور آثار صحابہ میں ان کی جو تشریح ملتی ہے اسے نقل کیا گیا ہے، اور مختلف ائمہ مجتہدین نے ان سے جو احکام نکالے ہیں انہیں ان کے دلائل سمیت مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔

۲۔ دوسرا قیمتی ذخیرہ کتب حدیث کی شرحوں کا ہے جن میں احکام کے علاوہ نظائر اور تشریحی بیان کا بھی بہترین مواد ملتا ہے۔ ان میں خاص طور پر یہ کتابیں اُردو میں منتقل ہونی چاہئیں۔

بخاری پر	فتح الباری اور عینی
مسلم پر	نووی اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی فتح الملہم۔
ابوداؤد پر	عون المعبود اور بذل المجہود۔
موطا پر	شاہ ولی اللہ صاحب کی مسوی اور مصفّٰی۔ اور موجودہ دور کے ایک ہندوستانی عالم کی اوجز المسالک
منتقی الاخبار پر	شوکانی کی نیل الاوطار
مشکوٰۃ پر	مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح۔
علم الآثار میں	امام طحاوی کی شرح معانی الآثار۔

۳۔ اس کے بعد ہمیں فقہ کی ان بڑی بڑی کتابوں کو لینا چاہیے جو اس علم میں امہات کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ یہ کتابیں اُردو میں منتقل ہونی چاہئیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ حنفی پر	امام سرخسی کی المبسوط اور شرح السیر الکبیر، کاشانی کی بدائع الصنائع۔ ابن ہمام کی فتح القدیر شرح ہدایہ۔ اور فتاویٰ عالمگیری
فقہ شافعی پر	کتاب الام۔ شرح المہذب اور مغنی المحتاج
فقہ مالکی پر	المدونہ۔ اور کوئی اہم کتاب جس کو اہل علم انتخاب کریں۔
فقہ حنبلی پر	ابن قدامہ کی المغنی
فقہ ظاہری پر	ابن حزم کی المحلیٰ
مذاہب اربعہ پر	ابن رشد کی بدایۃ المجتہد۔ اور علماء مصر کی مرتب کردہ الفقہ فی المذاہب الاربعہ
مخصوص مسائل پر	امام ابو یوسف کی کتاب الخراج۔ یحییٰ بن آدم کی الخراج۔ ابو عبید القاسم کی کتاب الاموال۔ ہلال بن یحییٰ کی احکام الوقف۔ دمیاطی کی احکام المواریث۔

۴۔ کچھ ہمیں اصول قانون اور حکمت تشریع کی بھی چند اہم کتابوں کو اردو کا جامہ پہنا لینا چاہیئے تاکہ ان کی مدد سے ہمارے اہل قانون میں اسلامی فقہ کا صحیح فہم اور اس کی روح سے گہری واقفیت پیدا ہو۔ میرے خیال میں اس موضوع پر یہ کتابیں قابل انتخاب ہیں۔ ابن حزم کی اصول الاحکام۔ علامہ آمدی کی الاحکام لاصول الاحکام۔ خضری کی اصول الفقہ۔ امام شاطبی کی الموافقات۔ ابن القیم کی اعلام الموقعین۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ۔

ان کتابوں کے متعلق ہمیں صرف اتنا ہی نہیں کرنا ہے کہ محض ان کے ترجمے اُردو زبان میں کر ڈالے جائیں، بلکہ ان کے مضامین کو موجودہ زمانہ کی قانونی کتابوں کے طرز پر از سر نو مرتب بھی کرنا ہوگا۔ نئے عنوانات قائم کرنے ہوں گے منتشر مسائل کو ایک ایک عنوان کے تحت جمع کرنا ہوگا، فہرستیں بنانی پڑینگی اور انڈکس تیار کرنے ہونگے۔ اس محنت کے بغیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کتابیں آج کل کی ضروریات کے لئے پوری طرح کارآمد نہیں ہیں کیونکہ قدیم زمانے کا طریق تدوین کچھ اور تھا اور اس زمانے میں قانونی مسائل کے لئے اتنے متعدد عنوانات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے جتنے آج پیدا ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ دستوری قانون اور بین الاقوامی قانون کے لئے کوئی الگ نام نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے مسائل کو وہ نکاح، خراج، جہاد اور میراث کے ابواب میں بیان کرتے تھے۔ فوجداری قانون ان کے ہاں کوئی الگ عنوان نہ تھا، بلکہ اس کے مسائل، حدود، جنایات اور دیات کے مختلف عنوانوں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ دیوانی قانون کو بھی انہوں نے الگ مرتب نہیں کیا تھا بلکہ ایک ہی مجموعۂ قوانین میں بہت سے عنوانات کے تحت اس کو جمع کر دیا تھا۔ مالیات اور معاشیات وغیرہ نام ان کے ہاں نہ تھے۔ اس سلسلے کے مسائل وہ کتاب البیوع، کتاب الصرف، کتاب المضاربہ، اور کتاب المزارعہ وغیرہ عنوانات کے تحت بیان کرتے تھے۔ اسی طرح قانون شہادت، ضابطہ دیوانی، ضابطہ فوجداری، اور ضابطہ عدالت وغیرہ، جدید اصطلاحیں ان کے ہاں نہیں بنی تھیں۔ ان قوانین کے مسائل ان کی کتابوں میں آداب القاضی، کتاب الدعویٰ، کتاب الاکراہ، کتاب الشہادات اور کتاب الاقرار وغیرہ عنوانات کے تحت ملتے ہیں۔ اب اگر یہ کتابیں جوں کی توں اردو میں منتقل کر لی جائیں تو ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔ ضرورت ہے کہ کچھ قانونی نظر رکھنے والے اہل علم ان پر کام کریں اور ان کی ترتیب بدل کر ان کے مواد کو جدید طرز پر مرتب کر ڈالیں اور بالفرض اگر یہ بہت زیادہ محنت طلب کام نظر آتے تو کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہیئے کہ ان کی فہرستیں پوری باریک بینی کے ساتھ بنائی جائیں، اور ایسے مختلف قسم کے انڈکس بنائے جائیں جن کے ذریعہ سے ان میں مسائل کا تلاش کرنا آسان ہو جائے۔

تدوین احکام اس سلسلہ کا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ ذمہ دار علماء اور ماہرین قانون کی ایک ایسی مجلس مقرر کی جائے جو اسلام کے قانونی احکام کو جدید دور کی کتب قانون کے طرز پر دفعہ وار مدون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Codify) کر دے ۔

میں اپنی پہلی تقریر میں وضاحت کے ساتھ یہ بات آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون کا اطلاق ہر اس قول پر نہیں ہوتا جو کسی فقیہ یا امام مجتہد کی زبان سے نکلا ہو یا کسی فقہی کتاب میں لکھا ہوا ہو۔ قانون صرف چار چیزوں کا نام ہے :-

۱۔ کوئی حکم جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہو،

۲۔ کسی قرآنی حکم کی تشریح و تفصیل، یا کوئی مستقل حکم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو،

۳۔ کوئی استنباط، قیاس، اجتہاد یا استحسان جس پر امت کا اجماع ہو، یا جمہور علمائے امت کا ایسا فتویٰ ہو جسے ہمارے ملک کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت تسلیم کرتی رہی ہے۔

۴۔ اسی قبیل کا کوئی ایسا امر جس پر ہمارے ملک کے اہل حل وعقد کا اب اجماعی یا جمہوری فیصلہ ہو جائے۔

میری تجویز یہ ہے کہ پہلی تین قسموں کے احکام کو ماہرین کی ایک جماعت ایک مجلّۂ احکام (Code) کی شکل میں مرتب کر دے۔ پھر جو جو قوانین آئندہ اجماعی یا جمہوری فیصلوں سے بنتے جائیں ان کا اضافہ ہماری کتاب آئین میں کیا جاتا رہے۔ اگر اس قسم کا ایک مجلّۂ احکام بن جائے تو اصل قانون کی کتاب وہ ہو گی، اور باقی تمام فقہی کتابیں اس کے لئے شرح (Commentary) کی حیثیت میں ہو نگی۔ نیز اس طرح عدالتوں میں قانون اسلامی کی تنفیذ اور لا کالجوں میں اس قانون کی تعلیم بھی آسان ہو جائیگی۔

قانونی تعلیم کی اصلاح تیسرا ضروری کام یہ ہے کہ ہم اپنے ہاں قانون کی تعلیم کا سابق طریقہ بدل دیں اور اپنے لا کالجوں کے نصاب اور طریق تربیت میں ایسی اصلاحات کریں جن سے طلبہ اسلامی قانون کی تنفیذ کے لئے علمی اور اخلاقی، دونوں حیثیتوں سے تیار ہو سکیں۔

اس وقت تک جو تعلیم ہماری قانونی درس گاہوں میں دی جا رہی ہے وہ ہمارے نقطۂ نظر سے بالکل ناکارہ ہے۔ اس سے فارغ ہو کر نکلنے والے طالب علم صرف یہی نہیں کہ اسلامی قانون کے علم سے بے بہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں، بلکہ ان کی ذہنیت بھی غیر اسلامی افکار کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، اور ان کے اندر اخلاقی صفات بھی ویسی ہی پیدا ہو جاتی ہیں جو مغربی قوانین کے اجراء کے لئے موزوں ترین، مگر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے لئے قطعاً غیر موزوں ہیں۔ اس صورت حال کو جب تک ہم بدل نہ دیں گے اور ان درسگاہوں میں اپنے معیار کے فقیہ پیدا کرنے کا انتظام نہ کریں گے، ہمارے ہاں وہ آدمی فراہم ہی نہ ہو سکیں گے جو ہماری عدالتوں میں قاضی اور مفتی کے فرائض انجام دینے کے لائق ہوں۔

اس مقصد کے لئے جو تجاویز میرے ذہن میں ہیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ دوسرے اہل علم بھی ان پر غور کریں اور ان میں اصلاح و اضافہ فرمائیں تاکہ ایک اچھی قابل عمل اسکیم بن سکے۔

۱- سب سے مقدم اصلاح یہ ہونی چاہیے کہ آئندہ سے لا کالجوں میں داخلہ کے لئے عربی زبان کی واقفیت ـــــ اتنی واقفیت جو قرآن، حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرنے کے لئے کافی ہو ـــــ لازم قرار دی جائے۔ اگرچہ ہم اسلامی قانون کی پوری تعلیم اردو میں دینا چاہتے ہیں، اور اس فن کی تمام ضروری کتابوں کو بھی اردو میں منتقل کر لینا چاہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود عربی زبان کے علم کی ضرورت پھر بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ اسلامی فقہ میں بصیرت بہرحال اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آدمی اس زبان سے واقف نہ ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام فرمایا ہے۔ ابتداءً ہمیں لا کالجوں کے لئے عربی داں امیدوار فراہم کرنے میں دشواری ضرور پیش آئے گی۔ ممکن ہے اس غرض کے لئے ہم کو چند سال تک ہر لا کالج میں ایک مستقل کلاس عربی تعلیم کے لئے کھولنی پڑے، اور شاید تعلیم قانون کی مدت میں ایک سال کا اضافہ بھی کر دینا پڑے۔ لیکن آگے چل کر جب ہمارے پورے نظام تعلیم میں عربی بطور ایک لازمی زبان کے شامل ہو جائیگی تو لا کالج میں داخلہ کے لئے جو گریجویٹ بھی آئیں گے وہ پہلے ہی عربی زبان سے بخوبی واقف ہونگے۔

۲- عربی زبان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طلبہ کو قرآن اور حدیث کے براہ راست مطالعہ سے دین کا مزاج اور اس کا پورا نظام اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔ ہماری عربی درسگاہوں میں بھی ایک مدت دراز سے یہ غلط طریقہ چلا آ رہا ہے کہ تعلیم کی ابتدا فقہ سے کی جاتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر ہر مذہب (اسکول) کے لوگ اپنے خصوص فقہی نقطۂ نظر سے حدیث پڑھاتے ہیں، اور قرآن کی صرف ایک یا دو بڑی سورتیں محض تبرکاً داخلِ درس کر دی جاتی ہیں۔ بلکہ ان میں بھی کلام اللہ کی ادبی خوبیوں کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو طلباء ان درسگاہوں سے نکلتے ہیں وہ قانون کی جزئیات و فروع سے تو خوب واقف ہوتے ہیں مگر اس دین کو قائم کرنے کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے اس کے اجتماعی نظام، اس کے مقاصد، اس کے مزاج اور اس کی روح سے بڑی حد تک نابلد رہتے ہیں۔ ان کو یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ دین سے شریعت کا، اور شریعت سے فقہی مذاہب کا تعلق کیا ہے۔ وہ قانونی جزئیات اور اپنے مذہب خاص کے فروعی مسائل ہی کو اصل دین سمجھتے ہیں۔ انہی چیزوں نے ہمارے اندر فرقہ بندی کے جھگڑے اور تعصبات پیدا کئے ہیں، اور اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ مسائل زندگی پر فقہی احکام کا انطباق کرنے میں بارہا شریعت کے اہم ترین مقاصد تک نظر انداز کر دئیے جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب اس غلطی کی اصلاح ہو اور کسی طالب علم کو اس وقت تک قانون نہ پڑھایا جائے جب تک وہ پہلے قرآن سے اور پھر حدیث سے دین کو اچھی طرح سمجھ نہ لے۔

اس معاملہ میں بھی ہمیں ابتداءً چند سال تک کچھ مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے واقف گریجویٹ نہ مل سکیں گے، اور اس کے لئے شاید ہمیں لا کالجوں ہی میں اس تعلیم کا بھی انتظام کرنا پڑے گا۔ لیکن آگے چل کر جب ہماری عام تعلیمی اصلاحات بار آور ہو جائیں گی تو آسانی کے ساتھ یہ ضابطہ بنایا جا سکے گا کہ لا کالجوں میں صرف وہی طلبہ داخلہ لے سکتے ہیں جو تفسیر و حدیث کو مخصوص مضامین کی حیثیت سے لے کر بی اے کر چکے ہوں، ورنہ دوسرے مضامین کے طلبہ کو ایک سال ابتداً ان مضامین پر صرف کرنا ہوگا۔

۳۔ تعلیمِ قانون کے نصاب میں تین مضامین ضرور شامل ہونے چاہئیں۔ ایک، جدید زمانے کے اصولِ قانون (Jurisprudence) کے ساتھ ساتھ اصولِ فقہ کا مطالعہ۔ دوسرے اسلامی فقہ کی تاریخ کا مطالعہ۔ تیسرے فقہ کے تمام چھوٹے بڑے مذاہب (اسکولوں) کا غیر متعصبانہ مطالعہ۔ ان تینوں چیزوں کے بغیر طلبہ میں نہ تو فقہ کا پورا فہم پیدا ہو سکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ان کے اندر وہ اجتہادی صلاحیتیں اُبھر سکتی ہیں جو اعلیٰ درجہ کے قاضی اور مفتی بننے کے لئے ناگزیر ہیں، اور نہ ان کے اندر سے ایسے ماہرین نکل سکتے ہیں جو ہماری ترقی پذیر ریاست کی روز افزوں ضروریات کے لئے تعبیر و قیاس اور اجتہاد و استحسان کے صحیح طریقے استعمال کر کے قوانین بنا سکیں۔ اپنے قانون کے اصولوں کو پوری طرح سمجھے بغیر آخر وہ روز مرہ نئے پیش آنے والے مسائل پر ان کا انطباق کیسے کر سکیں گے۔ اپنی فقہ کی تاریخ کو جانے بغیر انہیں کیونکر معلوم ہوگا کہ اسلامی قانون کا ارتقا کس طریقہ پر ہوا ہے اور آئندہ کس طریقہ پر ہو سکتا ہے۔ فقہائے اسلام کے جمع کئے ہوئے پورے ذخیرے پر وسیع نظر رکھے بغیر وہ کیونکر اس قابل ہو سکیں گے کہ جب کسی مسئلے میں ایک فقہی مذہب سے رہنمائی نہ ملتی ہو تو نیا اجتہاد کرنے سے پہلے دوسرے مذاہب فقہ سے استفادہ کر لیں۔ انہی وجوہ سے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری تعلیم قانون کے نصاب میں یہ تینوں مضامین داخل ہوں۔

۴۔ تعلیم کی اس اصلاح کے ساتھ ہمیں اپنے لا کالجوں میں طلبہ کی اخلاقی تربیت کا بھی خاص اہتمام کرنا ہوگا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے لا کالج چالاک وکیل، نفس پرست مجسٹریٹ اور بدکردار جج تیار کرنے کی فیکٹری نہیں ہے بلکہ اس کا کام تو ایسے قاضی اور مفتی پیدا کرنا ہے جو اپنی قوم میں اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے بلند ترین لوگ ہوں، جن کی راستبازی اور عدل و انصاف پر کامل اعتماد کیا جا سکے، جن کی اخلاقی ساکھ ہر شبہ سے بالاتر ہو۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سب سے بڑھ کر خدا ترسی، پرہیزگاری اور احساس ذمہ داری کا دور دورہ ہونا چاہیئے۔ یہاں سے نکلنے والے طلبہ کو اُس مسند کے لئے تیار ہونا ہے جس پر کبھی قاضی شُریح، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد ابن حنبل اور قاضی ابو یوسف جیسے لوگ بیٹھ چکے ہیں۔ یہاں ایسے مضبوط کیرکٹر کے آدمی تیار ہونے چاہئیں جو کسی مسند شرعی میں فتویٰ دیتے وقت یا کسی معاملہ کا فیصلہ کرتے وقت خدا کے سوا کسی کی طرف نظر نہ رکھیں، کوئی لالچ، کوئی خوف، کوئی ذاتی دلچسپی، کوئی محبت اور کوئی نفرت ان کو اُس بات سے نہ ہٹا سکے جسے وہ اپنے علم اور اپنے ضمیر کے لحاظ سے حق اور انصاف کی بات سمجھتے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدالتی نظام کی اصلاح | اسلامی قانون کے اجراء کی خاطر زمین ہموار کرنے کے لئے ہمیں اپنے عدالتی نظام میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں کرنی ہونگی۔ اس سلسلہ کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو چھوڑ کر میں دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر کرونگا جو اسلامی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

پیشۂ وکالت کا انسداد | اولین اصلاح طلب معاملہ پیشۂ وکالت کا ہے جو موجودہ عدالتی نظام کی بدترین خرابیوں میں سے ایک، بلکہ شاید سب سے بدتر چیز ہے۔ اخلاقی اعتبار سے اس کے جواز میں ایک حرف نہیں کہا جاسکتا۔ عملی حیثیت سے عدالتی کام کی کوئی حقیقی ضرورت ایسی نہیں ہے جو اس کے بجائے کسی دوسرے مناسب طریقہ سے پوری نہ کی جاسکتی ہو۔ اور اسلام کے مزاج سے یہ پیشۂ قانون بازی اس قدر بُعد رکھتا ہے کہ جب تک یہ پیشہ جاری ہے، ہماری عدالتوں میں اسلامی قانون اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ جاری ہی نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر کہیں خدائی قانون کے ساتھ یہاں وہ بازی گری کی گئی جو انسانی قانون کے ساتھ روز کی جارہی ہے تو عجب نہیں کہ ہم انصاف کے ساتھ ایمان بھی کھو بیٹھیں۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اس پیشہ کو بتدریج ختم کردیا جائے۔

نظری حیثیت سے وکیل کا کام یہ ہے کہ وہ عدالت کو قانون سمجھنے اور مقدمۂ زیر سماعت کے حالات پر اسے منطبق کرنے میں مدد دے۔ اصولاً یہ ضرورت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ایک مقدمہ میں دو ماہرین قانون کی رائیں مختلف ہوسکتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ ایک کی رائے میں ایک فریق کا مقدمہ مضبوط ہو تو دوسرے کی رائے میں دوسرے فریق کا، اور عدالت کے لئے صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں دونوں طرف کے دلائل سے مطلع ہونا یقیناً مفید ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کی جو صورت طریقۂ وکالت کی شکل میں اختیار کی گئی ہے، کیا فی الواقع اس سے یہ دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں؟ ایک وکیل اپنی قانونی مہارت کو لیکر بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور تیار رہتا ہے کہ جس مقدمہ کا جو فریق بھی اس کے دماغ کا کرایہ ادا کرنے کے لئے تیار ہو اس کے حق میں وہ قانونی نکات سوچنا شروع کردے۔ اس کو اس بات سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ میرا موکل حق پر ہے یا باطل پر، مجرم ہے یا بے گناہ، اپنا حق لینا چاہتا ہے یا دوسرے کا حق مار کھانا چاہتا ہے۔ اس کو اس سے بھی کوئی دلچسپی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتی کہ قانون کا منشا درحقیقت کیا ہے اور اس کی رو سے اس کے موکل کا مقدمہ صحیح ہے یا غلط۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس شخص نے مجھے فیس دی ہے اور میرا کام اس کی حمایت کرنا ہے۔ اس لئے وہ مقدمہ کو حیل بنا کر قانون کے مطابق ڈھالتا ہے، کمزور پہلوؤں کو چھپاتا ہے، موافق پہلوؤں کو ابھارتا ہے، روداد مقدمہ اور شہادتوں میں سے چن چن کر صرف وہ چیزیں نکالتا ہے جو اس کے موکل کی تائید میں ہوں، گواہوں کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مقدمہ کے صحیح واقعات ——— اگر وہ اس کے موکل کے خلاف پڑتے ہوں ——— روشنی میں نہ آسکیں یا کم از کم مشتبہ ہو جائیں، اور قانون کی صرف مفید مطلب تعبیریں پیش کرکے اور ان کے حق میں دلائل دے کر جج کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے قلم سے وہ فیصلہ نکلے جو اس کے موکل کے موافق ہو، نہ کہ وہ جو تقاضائے انصاف ہو۔ اب خواہ کوئی حقیقی مجرم چھوٹ جائے یا کوئی واقعی بے گناہ پھنس جائے، کوئی حق دار بے حق ہو جائے یا غیر مستحق دوسرے کا حق مار کھائے، وکیل اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وہ حق کی حمایت کرنے اور انصاف کرانے کے لئے وکالت خانے میں نہیں بیٹھتا۔ اس کا مقصد ہوتا ہے روپیہ۔ جو اسے روپیہ دے وہی حق پر ہے، خواہ وہ مقدمہ کا ایک فریق ہو یا دوسرا فریق ——— میں پوچھتا ہوں، کیا کسی اصول اخلاق کے لحاظ سے یہ پیشہ ورانہ قانون بازی جائز ٹھیرائی جا سکتی ہے؟ کیا کوئی صاحب ضمیر، خدا ترس اور ایماندار آدمی محض فیس کی خاطر اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے سکتا ہے کہ مظلوم کو داد سے محروم کرانے اور ظالم کا ظلم برقرار رکھنے کی کوشش کرے؟ اور کیا فی الواقع ایسے ماہرین قانون کا مشورہ ججوں کو انصاف کے کام میں کچھ بھی مدد دے سکتا ہے جو علانیہ اس مقصد کے لئے فیس لئے بیٹھے ہوں کہ قانون کی تعبیر لازماً اپنے موکل ہی کے حق میں کریں گے؟ کیا کسی قانونی مسئلہ میں ایک مقدمہ کے دو مخالف وکیلوں کا اختلاف رائے حقیقی ایماندارانہ اختلاف رائے ہوتا ہے، درانحالیکہ یہی دونوں وکیل اتنے ہی زور کے ساتھ بالکل برعکس رائیں پیش کرتے اگر دونوں کے موکل بدلے ہوئے ہوتے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس پیشۂ وکالت نے صرف ہمارے نظام عدل و انصاف ہی کو سخت نقصان نہیں پہنچایا ہے، اور صرف اتنا ہی نہیں کیا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں قانون کی پیروی کے بجائے اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف ورزی کو وسعت و طاقت بخشی ہو، بلکہ اس کا نقصان ہماری پوری اجتماعی زندگی میں پھیل گیا ہے، اور ہماری سیاست بھی اسی کی وجہ سے گندی ہو کر رہ گئی ہے۔ زبان اور ضمیر کا تعلق منقطع کرنے کی مشق آپ کے کالجوں کی مجالس مباحثہ سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں ایک بولنے والے کی اصل خوبی یہی سمجھی جاتی ہے کہ وہ مسئلہ زیر بحث کے دونوں پہلوؤں کی حمایت میں یکساں زور کے ساتھ بول سکے، اور جس جانب سے بھی کھڑا ہو جائے، دلائل کے انبار لگا دے خواہ اس کی ذاتی رائے اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ابتدائی مشق پیشۂ وکالت میں داخل ہو کر خوب منجھتی اور پختہ ہوتی ہے۔ پھر جب ایک وکیل سالہا سال تک دل کے خلاف دماغ لڑانے اور ضمیر کے خلاف زبان چلانے میں ماہر کامل ہو چکتا ہے تب وہ اپنی اسی سیرت کو لیے ہوئے ہماری قومی زندگی (Public Life) میں داخل ہوتا ہے اور اپنے اس اخلاقی زہر کو ہمارے علمی، تمدنی اور سیاسی اداروں میں ہر طرف پھیلا دیتا ہے۔

اسلام اس پیشہ کو کسی طرح برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کے نظام میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہ اس کے مزاج اور اس کی روح اور اس کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ پچھلی دس بارہ صدیوں میں آدھی سے زیادہ دنیا پر مسلمانوں نے حکومت کی ہے اور کہیں ان کے نظام عدالت میں اس قانونی پیشے کا نشان ہمیں نہیں ملتا۔ اس کے بجائے ہمارے ہاں مفتی کا منصب تھا اور اب ہمیں اسی کو تازہ کرنا چاہیے۔ قدیم زمانے کے مفتی زیادہ تر اپنی روزی کسی آزاد کاروبار سے کماتے تھے۔ اور لوگوں کو فتوے بلا معاوضہ دیا کرتے تھے۔ آج کی بڑھی ہوئی ضروریات کے لئے ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ ہر شہر اور ہر ضلع اور تحصیل کی ضرورتوں کے مطابق ایک کافی تعداد میں ماہرین قانون ۔۔۔ جن میں مخصوص شعبہ ہائے قانون کے اختصاصی ماہرین بھی شامل ہوں ۔۔۔ سرکاری طور پر مقرر کر دیے جائیں اور ان کو پبلک کے خزانے سے معقول تنخواہیں دی جائیں۔ ان کے پاس فریقین مقدمہ کا جانا اور ان کی کچھ "خدمت" کرنا قانوناً ممنوع ہو۔ اور اسی طرح حکومت کو بھی ان کی رائے پر اثر ڈالنے کا اسی طرح کوئی حق نہ ہو جس طرح حاکمانِ عدالت پر دباؤ ڈالنے کا اسے حق نہیں ہے۔ عدالتیں خود حسبِ موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان ماہرین کے پاس مقدمات کی روداد بھیجیں اور ان سے رائے لیں۔ اگر ان کے درمیان اختلاف رائے ہو تو وہ عدالت میں آکر اپنے استدلال پیش کریں۔ مقدمہ کے واقعات کی تحقیق کے لئے عدالت خود بھی گواہوں پر جرح کرے اور مفتیوں کو بھی موقع دیا جائے کہ وہ گواہوں سے تمام ایسے متعلق حالات معلوم کریں جن کا مقدمہ پر اثر پڑتا ہو۔ اس طرح عدالتوں کو قانون سمجھنے اور مقدمات پر اس کو منطبق کرنے میں حقیقی مدد ملے گی، مفتیوں کا سچا اختلاف رائے بہت سے قانونی مسائل کو صاف کریگا، عدالتوں کا بہت سا وقت، جو بنے ہوئے مقدمات اور مصنوعی شہادتوں کی وجہ سے اب ضائع ہوا کرتا ہے، بچ جائیگا، اور مقدمہ بازی جس کی ساری گرم بازاری اس قانونی پیشے ہی کی بدولت ہے، ہمارے معاشرے سے رخصت ہو جائیگی۔

رہا یہ سوال کہ اگر مقدمات کو ضابطے کے مطابق تیار کر کے عدالتوں کے سامنے پیش کرنے والے صاحب فن لوگ موجود نہ ہوں تو اہل مقدمات کو بڑی پریشانیاں لاحق ہونگی اور وہ طرح طرح کے بے ضابطہ طریقوں سے اپنے معاملات پیش کر کر کے عدالتوں کو بھی پریشان کریں گے، تو اس کا حل یہ ہے کہ ہم اس کے لئے مختاری کے اُس پرانے طریقہ کو زندہ کریں جو ہماری عدالتوں میں پہلے رائج تھا۔ ہمارے لا کالجوں کے ساتھ ایسی ضمنی کلاسیں بھی ہونی چاہئیں جن میں متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو صرف قانون ضابطہ (Procedural law) پڑھایا جائے اور عملاً عدالتی طریق کار سے واقف کرایا جائے۔ ان لوگوں کا کام محض یہ ہونا چاہیئے کہ ایک مقدمہ کو ضابطہ کی صورت دیکر عدالت کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنا دیں اور مختلف مراحل پر اہل مقدمات کو عدالتی طریق کار بتاتے رہیں۔ یہ لوگ اگر فیس لے کر پریکٹس کریں تو اس سے وہ خرابیاں رونما نہیں ہوسکتیں جو پیشۂ وکالت سے رونما ہوتی ہیں۔

کورٹ فیس کا انسداد | ملک کے نظام عدل و انصاف کو اسلامی معیار پر لانے کے لئے ایک اور ضروری اصلاح یہ ہے کہ ہم اپنے ہاں سے کورٹ فیس بالکل اڑا دیں۔ یہ ایک ایسی گھناؤنی بدعت ہے جس سے ہم مسلمان مغربی تسلط سے پہلے کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی مذاق پر یہ تصور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی سخت گراں ہے کہ عدالت داد رسی کی خدمت انجام دینے کے بجائے انصاف کی دوکان بن کر رہے جہاں سے کوئی شخص پیسہ دئے بغیر جنس عدل حاصل نہ کر سکتا ہو، اور جہاں بے زر انسان کے لئے یہی مقدر ہو کہ ظلم سہے اور داد نہ پائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی دور کے ساتھ اس کی یہ یادگار بھی رخصت ہو اور ہماری عدالتیں پھر سے اس اسلامی معیار پر قائم ہو جائیں جس کی رو سے انصاف رسانی ایک تجارتی کاروبار نہیں بلکہ ایک عبادت اور ایک خدمتِ بے مُزد ہے۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ اگر کورٹ فیس اڑا دی جائے تو آخر عدالتی نظام کے مصارف کہاں سے پورے ہوں گے؟ میں اس کے جواب میں دو باتیں عرض کرونگا۔

ایک یہ کہ اسلامی نظام میں اتنے لمبے چوڑے عدالتی عملے کی ضرورت باقی نہ رہیگی جسے موجودہ حالات نے ناگزیر بنا رکھا ہے۔ پیشۂ وکالت کا انسداد مقدمہ بازی کو بہت کم کر دیگا اور مقدمات کا دوران بھی آجکل کی بہ نسبت بہت گھٹ جائیگا۔ پھر اخلاق، معاشرت اور معیشت کی اصلاح بھی مقدمہ بازی کو گھٹانے میں بہت کچھ مددگار ہوگی۔ پولیس اور جیل کے کارکنوں کی تربیت اور طریق کار کی اصلاح سے بھی جرائم کی تعداد میں بہت کمی واقع ہو جائیگی۔ اس طرح ہمیں اپنے نظام عدالت کے لئے اتنے ججوں اور مجسٹریٹوں اور دفتری کارکنوں کی حاجت نہ رہیگی جتنے اب درکار ہوتے ہیں، اور اسی نسبت سے عدالتوں کے دوسرے مصارف بھی کم ہو جائیں گے۔ علاوہ بریں اسلامی نظام میں تنخواہوں کا معیار بھی وہ نہ ہوگا جو اب ہے۔

دوسرے یہ کہ ان تخفیفات کے بعد عدالتی نظام کے مصارف کا جو ہلکا بوجھ ہمارے خزانے پر باقی رہ جائیگا اس کو ہم ہر داد خواہ پر ڈالنے کے بجائے اُن لوگوں پر ڈالیں گے جو عدالتوں سے بیجا استفادہ کی کوشش کریں، یا جن کو عدالتوں کی خدمات سے غیر معمولی فائدہ پہنچتا ہو۔ مثلاً جھوٹے مقدمات دائر کرنے والوں، جھوٹی شہادتیں دینے والوں، اور عدالت کے سمنوں کی تعمیل سے گریز کرنے والوں پر جرمانے کئے جائیں۔ مجرموں پر جو جرمانے کئے جاتے ہیں وہ بھی اسی مد میں شمار ہوں۔ اور ایک خاص مالیت سے زیادہ کی ڈگری جن لوگوں کو ملے اُن پر ایک خاص شرح سے ٹیکس لگا دیا جائے۔ اس قسم کی تدابیر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود اگر محکمۂ انصاف کے بجٹ میں کوئی خسارہ رہے تو اسے خزانۂ عامرہ سے پورا کیا جانا چاہیئے، کیونکہ خلق کے درمیان انصاف کرنا ایک نظام حکومت کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔

خاتمۂ کلام | یہ چند تجاویز ہیں جو میرے نزدیک اس ملک میں اسلامی قانون کے اجراء و نفاذ کو ممکن بنانے کے لئے روبعمل آنی چاہئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اہل علم اصحاب اور وہ لوگ جو عدالت و قانون کے معاملات کا عملی تجربہ رکھتے ہیں، ان پر غور فرمائیں اور انہیں مکمل کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری ان گزارشات سے وہ حضرات بھی ایک بڑی حد تک مطمئن ہو گئے ہونگے جو اسلامی قانون کے نفاذ کو اب ممکن ہی نہیں سمجھتے۔ انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے اور اس کی عملی تدابیر کیا ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، دنیا میں کسی چیز کی تعمیر بھی بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اس کو جاننے والے اور اس کی خواہش اور ارادہ رکھنے والے معمار موجود ہوں اور اس کی تعمیر کے لئے ضروری وسائل و ذرائع ان کے ہاتھ میں ہوں۔ یہ دونوں چیزیں جہاں بہم پہنچ جائیں وہاں سب کچھ بن سکتا ہے خواہ مسجد ہو یا شوالہ۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۴۷) تو کیا عجب کہ ذمہ داران حکومت کا ضمیر انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دے کہ ان کے طریق کار میں آخر وہ کیا غلطی ہے جس کی وجہ سے ساری قوم کو جھوٹ، خیانت اور بے ایمانی کی تربیت مل رہی ہے۔ پھر یہ بھی ایک قابل غور معاملہ ہے کہ پہلے تو ایک بیرونی قوم اپنے مفاد کے لئے ہم پر حکومت کر رہی تھی، اس لئے لوگوں کو نہ اس پر اعتماد تھا، نہ اس سے کوئی دلچسپی اور محبت تھی، اور نہ اس کا کوئی حق وہ اپنے اوپر مانتے تھے، مگر اب تو وہ پاکستان بن چکا ہے جس کے عشق میں ساری قوم برسوں سے دیوانی ہو رہی تھی، اور اس کا انتظام وہ لوگ سنبھالے ہوئے ہیں جو قوم کے محبوب رہنما تھے، اب کیا بات کہ اسی پاکستان کا نظم و نسق چلانے اور اسے مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لئے جب ٹیکس لگائے جاتے ہیں تو قوم کی بہت بڑی اکثریت ان کو ادا کرنے سے جی چراتی ہے؟ کیا اس کی وجہ محض قوم کی بے حسی اور نالائقی ہے یا اس میں کچھ ہمارے سربراہ کاروں کی اپنی کوتاہیوں کا بھی کچھ دخل ہے؟ اگر ٹیکس دینے والا یہ دیکھتا کہ پاکستان کے لئے جس ایثار و قربانی کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے اسی ایثار سے حکومت کے کارفرما حضرات خود بھی کام لے رہے ہیں، اور اگر ٹیکس دینے والے کو یہ اطمینان ہوتا کہ جو کچھ اس سے لیا جا رہا ہے وہ واقعی اس کی اور ملک کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے نہ کہ چند لوگوں کی عیاشیوں پر، تو کیا پھر بھی وہ اپنی حکومت کے مصارف میں (بقیہ مضمون صفحہ ۲۶۹)

© rasailojaraid.com